ضمیمہ "پیام عمل" لاہور ۹ مارچ ۱۹۷۶ء

سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ لاہور ۱۸۴

الواقعۃ کربلا اتمامِ حجت ہے

نتیجۂ فکر

محترمہ نرجس خاتون صاحبہ ایم۔ اے

امامیہ مشن پاکستان

"اگر واقعۂ کربلا نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟" کے عنوان پر ہم اپنی دوسری پیشکش ہدیۂ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اس سے قبل سید العلماء مدظلۂ کی ایک تقریر اسی موضوع پر آپ حضرات کی نظر سے گزر چکی ہے۔ زیر نظر مقالہ اور ہماری سابقہ پیش کش میں وہی فرق ہے جو ایک بالغ نظر عالم کی جلسۂ عام میں کی ہوئی تقریر اور ایک ذہین طالب علم کے اشاعت کی غرض سے قلمبند کیے ہوئے مقالہ میں ہو سکتا ہے۔

یہ کتابچہ ایک ہونہار مومنہ نرجس خاتون ایم اے کی کاوش قلم کا نتیجہ ہے اور چند در چند خصوصیات کا حامل ہے۔ زبان خاصی ادبی اور معیاری ہونے کے علاوہ فاضل مصنفہ نے مغلق اور پیچیدہ حوالے درج کرنے اور غیر ضروری احادیث سے مضمون کو ثقیل اور بوجھل بنانے کے بجائے عام واقعات کو نہایت دلکش انداز میں پیش کر کے ان سے گرانقدر اور مفید نتائج مرتب کیے ہیں۔ دلیل و برہان کی کسوٹی پر اس مقالہ کا ہر پہلو پرکھا جا سکتا ہے اور اس کے مطالعہ سے نہ صرف ہر آزاد خیال مسلمان بلکہ ایک عام سوجھ بوجھ کا انسان بھی واقعۂ کربلا کی اصل اہمیت اور سید الشہداؑ کی فقید المثال قربانی کی صحیح قدر و قیمت جان کر اپنے ضمیر کے تاریک گوشے منور کر سکتا ہے۔ اس بیش قیمت مقالہ کا صحیح اجر تو محترمہ نرجس خاتون کو بارگاہِ احدیت اور دربار سرکارِ شہادت ہی سے ملیگا تاہم ہمارے لیے بھی انکی یہ سعی غایت درجہ مشکور ہے۔

جنرل سیکریٹری امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یوں تو علم غیب کا سرچشمہ ہمیشہ سے وہی ذات واجب الوجود رہی ہے لیکن تخیل کی پرواز اور عقل کی جولانی سے محرومی کا شکوہ صرف ملائکہ ہی کرسکتے ہیں جن کے دامن تہی میں دستِ فیض قدرت کی دی ہوئی "وما علمتنا الا ما علمتنا" کی بھیک کے علاوہ کچھ اور تلاش کرنا غلط اور بے سود ہوگا۔ اس قسم کے سوالات کہ فلاں واقعہ ظہور میں نہ آتا تو کیا ہوتا؟ اور فلاں شخصیت پیدا ہی نہ ہوتی اور یا پیدا ہوتی لیکن وہ زندگی کسی دوسرے نہج پر ڈھالتی تو کیا ہوتا؟ محض اندازے اور تخمینے ضرور رہ جاتے ہیں جن کی صحت اور صداقت کی پوری جانچ انسانی فہم و ادراک کی حدود سے بادی النظر میں ماورا معلوم ہوتی ہے۔ تاہم انسان چاہے تو عقل و خرد کا چراغ لے کر بصیرت و برہان کی رہبری میں بعض معروف سنگہائے میل کے سہارے ممکنات کی تاریک وادیوں میں ایک حد تک بعض اہم منازل کی جستجو ضرور کرسکتا ہے۔ ایسا ہی ایک سوال یہ ہے کہ اگر واقعۂ کربلا نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ یہ سوال میرے خیال میں ایسا ہے جیسے یہ کہ اگر پیغمبر ختمی مرتبت

کی جلائی ہوئی شمع اسلام اُحد کی تند و تیز آندھی بجھا دیتی تو کیا ہوتا اور یا یہ کہ اگر بزم ملائکہ میں ابلیس کی دلیل حضرت آدم کو چپ کر دیتی تو اس عالم بست وکشاد کا کیا ہوتا ؟ کیا خاک و آب کا یہ پُتلا پھر بھی اس ربع مسکوُن کی زینت بنتا اور اگر ایسا ہوتا تو آج تاریکی و جہالت کی وہ کونسی گہرائیوں میں بھٹکتا ہوتا۔

میرے خیال میں واقعۂ کربلا کے ظہوُر میں نہ آنے کی صرف تین ہی صورتیں ہو سکتی تھیں۔ اوّل یہ کہ یزید امام حسینؑ سے مطالبۂ بیعت ہی نہ کرتا اور وہ آلِ محمدؐ کو اپنی جگہ خاموش زندگی گزارنے دیتا جیسا کہ اس کی پیش روحکومتوں نے کیا تھا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ وہ مطالبۂ بیعت تو کرتا لیکن امامؑ بجائے اس مطالبہ کو ٹھکرا دینے کے اسے قبول فرما لیتے اور اس طرح آلِ محمدؐ کی الگ جلائی ہوئی شمع روحانیت کو وہ خود اپنے ہاتھوں بجھا دیتے۔ تیسری صورت واقعۂ کربلا کے نہ ہونے کی یہ ہو سکتی تھی کہ یزید مطالبۂ بیعت بھی کرتا۔ امامؑ اس مطالبہ کو رَد بھی کر دیتے لیکن یزید ظلم وستم اور جبر و تشدد کی وہ شدّت اختیار نہ کرتا اور نہ حسینؑ ہی وہ تمام اہتمامات کر لیے جو کہ انھوں نے کیے۔ اس صورت میں حسینؑ موت کے گھاٹ تو ضرور اُتر جاتے لیکن واقعۂ کربلا نہ ہوتا۔ آئیے ان تینوں صورتوں سے جو نتائج مرتب ہو سکتے تھے ان کا

جائزہ لیں۔

پیغمبر اسلامؐ نے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے مذہب اور سیاست کی الگ الگ حیثیتیں مٹا کر ان دونوں کو ایک کر دیا تھا۔ ان کے ہاں نہ مذہب سیاست سے الگ کوئی حیثیت رکھتا تھا اور نہ سیاست مذہب سے الگ کوئی چیز تھی ۱۱ھ میں آپ کی وفات کے بعد سقیفۂ بنی ساعدہ میں جب خلافت کا مسئلہ طے ہوا تو آلِ محمدؐ نے اس فیصلہ کو منظور نہ کیا۔ انھوں نے یقیناً اس فیصلہ سے اختلاف کر کے حکومت سے تصادم کی صورت نہ پیدا ہونے دی۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے اپنی انفرادیت کو مرکزِ خلافت میں مدغم نہیں ہونے دیا۔ اور انکا ہمیشہ دعویٰ یہی رہا کہ روحانی قیادت کے وارث وہ خود ہیں اور دربارِ خلافت صرف سیاست اور حکومت کی نمائندگی کا نام ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ امیر المومنینؑ کو بیعت کے لیے کہا تو گیا لیکن جب آپ نے انکار کیا تو بیعت پر اصرار نہ کیا گیا۔ مطلب یہ تھا کہ جب تک علیؑ کو خود تصادم اور ٹکراؤ پر اصرار نہ ہو حکومت یہ گوارا کرنے لگی کہ آلِ محمدؐ روحانی قیادت کا اپنا الگ مرکز قائم رکھیں۔

ہر تحریک پر اس کے قائد کے ذاتی کردار کا کتنا گہرا اثر

ہوا کرتا ہے اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں۔ چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ تیسرے دورِ خلافت میں جب خلیفہ سے عمداً یا سہواً بعض کوتاہیاں واقع ہوئیں تو اسلام کتنا مجروح ہوا اور روحِ اسلام میں کس قدر کمزوری رونما ہو گئی۔ چار برس کے مختصر سے وقفہ کے بعد پھر جب معاویہ ابن ابی سفیان سریر آرائے خلافت ہوئے تو اسلام کی شکل و صورت اور کس قدر بگڑ گئی اور آلِ محمدؐ کا مرکزِ روحانیت اور کتنا کمزور کر دیا گیا۔ یہ بھی تاریخ کی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ اہلِ شام "تاجدارِ ہل اتیٰ اور نقطۂ بائے بسم اللہ کو جنگل میں بکریاں چرانے والا ایک گڈریا اور نورِ چشم رحمۃ للعالمینؐ کو رسولؐ کی زوجہ جانتے تھے۔ انھیں غسل و طہارت کے معمولی مسائل تک یاد نہ تھے، اور معاویہ کو یا نبی اللہ کہہ کر خطاب کرنے اور نمازِ جمعہ کو چہار شنبہ کے دن ادا کر دینے میں انھیں کوئی اعتراض نہ تھا۔

سنہ ۶۰ھ میں جب معاویہ کی وفات کے بعد یزید وارثِ خلافت ہوا تو اب اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عام حالات میں اسلام کی گرتی ہوئی دیوار کا کیا حشر ہونا چاہیے تھا۔ یہ مانا کہ یزید وارثِ رسولؐ سے بیعت نہ مانگتا اور سید الشہدا بھی اپنے آباؤ اجداد کی تاسّی کرتے ہوئے خلیفۂ وقت سے الجھنا پسند نہ فرماتے لیکن اسلام یزید کے ذاتی کردار سے کتنا متاثر ہوتا

اور وہ مرکزِ روحانیت جس کی قیادت آلِ محمدؐ مدینہ سے کرتے چلے آرہے تھے وہ اور کتنا کمزور ہوجاتا، یہ چشمِ بصیرت سے دیکھنے کی چیز ہے۔ اب تک تاریخِ اسلام میں کوئی خلیفہ ایسا نہ گزرا تھا جو محافل میں کھلے بندوں رقص و سرود کی داد دیتا جس کے دربار میں بر سرِ عام ساغر و مینا کا دَور چلتا، جس کے محلات میں شراب مٹکوں کے بجائے حوضوں میں بھری جاتی، جس کی آغوش کتوں سے زینت پاتی، جس کے ہاں ماں بہنوں اور بیویوں میں چنداں فرق نہ ہوتا اور جو نشۂ شراب میں بے باکانہ پکارتا، کہ بنی ہاشم نے ایک ڈھونگ رچایا تھا، ورنہ نہ کوئی فرشتہ آیا اور نہ وحی اتری۔ ان حالات میں اسلام کی شکل کس قدر بگڑ جاتی اور پیکرِ اسلام میں کس قدر زہر سرایت کر جاتا اس کا بھرپور جائزہ لیجیے اور سوچیے کہ واقعۂ کربلا نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ یہ اعتراض نہ کیجیے کہ یزید کے عہد کے بعد بھی تو بنو امیہ اور بنی عباس میں بعض خلفاء ایسے گزرے کہ جن کا کردار ایک حد تک ان باتوں میں یزید کے کردار سے ملتا جلتا تھا۔ پھر اُن ادوار میں اسلام اس قدر کیوں نہ بگڑا۔ وجہ یہ ہے کہ اس دَور اور بعد کے آنے والے زمانہ میں بہت فرق تھا۔ اس وقت واقعۂ کربلا ابھی گزرا نہ تھا۔

اور بعد کے آنے والے ادوار جب آئے جب واقعۂ کربلا لوگ دیکھ چکے تھے ۔ اور حق و باطل اور نورؐ وظلمت حسینؑ الگ الگ کر چکے تھے ۔ یزید ان کی جانشینی کا دعویدار تھا جنھیں عوام آج کل راشدین کے لقب سے یاد کرتے ہیں ۔ اور یہ وقت وہ تھا جب حق کو باطل سے الگ کرکے پہچانا تھا ایک سطحی نظر کے لیے قریب قریب ناممکن ہو رہا تھا ۔ بعد کے خلفاء اس وقت آئے جب حسینؑ باطل کے پردے تار تار کر چکے تھے ۔ اور حق کا روشن چہرہ نیّر نیمروز کی طرح چمک رہا تھا ۔ یہی وجہ تھی کہ آنے والے خلفاء نے آلِ محمدؐ سے پھر کبھی ایک مرتبہ بھی بیعت کا سوال نہ دہرایا اور روحانیت کی قیادت اور رسالت کی وراثت کو ہمیشہ کے لیے آلِ محمدؐ کا حصہ سمجھ لیا گیا ۔

یہ تو تھی وہ صورت کہ جب یزید کے جنون اور کس کی بے باکی کے پہلو بہ پہلو ایک مرکز روحانیت بھی قائم رہتا ایک شمع رشد و ہدایت بھی مملکتِ اسلامی کے ایک گوشہ میں ٹمٹما رہی ہوتی اور ایک سرچشمۂ علم و عرفان بھی اس کفرو الحاد کے سیلاب سے کہیں دور جاری ہوتا جہاں طالبانِ حق اور تشنگانِ معرفت چاہتے تو اپنی سیرابی کا سامان ڈھونڈ سکتے ۔ اب ذرا دوسری صورت پہ غور کیجیے کہ جہاں

یزید مطالبۂ بیعت کرتا اور حسینؑ اس مطالبہ کو منظور کر لیتے۔ بیعت طلب کرنے کا مطلب ایک اور صرف ایک تھا یعنی آپ اپنے مرکز کو ختم کیجیے۔ اور میری محفل میں آ کر میری صدارت میں بیٹھیے۔ اپنی شمع گل کر کے اس تاریکی میں آیئے اور انسانیت کا جنازہ نکالنے کی مہم میں ہمارے ساتھ شریک ہو جایئے۔ حرام و حلال کی قیود ہم توڑ رہے ہیں۔ آپ ہمارا ساتھ دیجیے۔ اب سے اسلام وہ دستورِ حیات ہوگا جس کا نفاذ فرازِ منبرِ دمشق سے کیا جائے گا۔ شریعت ان احکام کا نام ہوگا جو ہماری زبان سے جاری ہوں گے اور قرآن ضابطۂ حیات کی وہ کتاب ہو گی جو ہماری خواہشات کی ترجمانی میں ہمارے نفس کا ساتھ دے گی۔ یزید کا امام حسینؑ سے بیعت طلب کرنا گویا یہ کہنا تھا کہ اب سے وارثِ رسالت آپ نہیں میں ہوں میں جب چاہوں دین کو بدل دوں۔ جن شرعی احکامات کو چاہوں منسوخ کر دوں اور جو نئے احکامات چاہوں وہ جاری کر دوں۔ جس طرح رسول اکرمؐ اپنی امت کے ہر فرد پر اولیٰ بالتصرف تھے بالکل اسی طرح ان کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے میں اولیٰ بالتصرف ہوں گا اور کسی کو

مجال نہ ہوگی کہ وہ میری حکم عدولی کر سکے - میرا حکم گویا خدا کا حکم ہوگا اور اگر آخرت کوئی چیز ہے تو وہ آخرت میرے احکامات ہی کی تعمیل کا نام ہوگا۔

یزید کا کردار اوپر بتلایا جا چکا ہے - ان حالات میں اندازہ کیجیے کہ اگر حسینؓ یہ مطالبۂ بیعت منظور کر لیتے اور یزید کے ان دعاوی پر صاد فرما دیتے تو آج جو اسلام ہم تک پہنچا اس کی شکل و صورت کیا ہوتی؛ آج شریعتِ محمدی کس مضحکہ خیز ضابطۂ حیات کا نام ہوتا اور یہ محراب و منبر یہ مساجد و مدارس اور یہ اذانیں اور نمازیں سوائے لہو و لعب اور کھیل تماشہ کے اور کس چیز کی نمائندگی کرتی ہوتیں - کیا مرورِ ایام کے ساتھ کوئی جان سکتا کہ دینِ حنیف کیا تھا اور وہ کون سا پاکیزہ پیغام تھا جو انسانیت کے لیے نبیٔ اکرمؐ لائے تھے۔ اور جس کی اشاعت کے لیے آپ نے صبح و شام مصائب و آلام جھیلے تھے - چند صدیوں کے بعد یقیناً اسلام کی شکل و صورت پہچانی بھی نہ جا سکتی - اور اس طرح صرف رسولؐ ہی کی محنت اکارت نہ جاتی بلکہ آدمؑ و نوحؑ اور موسیٰؑ و عیسیٰؑ سب کے پیغامات فنا ہو جاتے اور ان پاکیزہ ہستیوں کے کردار کی ایک مسخ شدہ یاد

سکے سوا دنیا کے حافظہ میں کچھ اور باقی نہ رہتا۔ ان حالات کا کسی قدر تفصیل سے جائزہ لے کر سوچیے کہ اگر واقعۂ کربلا نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ اور زبانِ رسالتؐ نے آنے والے حالات کا کتنا گہرا مطالعہ فرما کر ارشاد فرمایا تھا کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ اور آج ہم کیوں زیارت امامِ مظلوم پڑھتے وقت انھیں وارثِ آدمؑ، وارثِ نوحؑ اور وارثِ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کہہ کر پکارتے ہیں۔

تیسری صورت واقعۂ کربلا کے ظہور پذیر نہ ہونے کی جیسا کہ اوپر بتلایا گیا یہ تھی کہ حسینؑ مطالبۂ بیعت کو ٹھکراتے تو ضرور لیکن وہ تمام انتظامات اور تدابیر اختیار نہ کرتے اور اس بصیرت و دُور اندیشی سے کام نہ لیتے جس سے کہ آپ نے کام لیا۔ اس صورت میں واقعۂ کربلا کی حیثیت تو برقرار رہتی، یعنی حق و باطل کے اس تصادم کے نتیجہ میں حسینؑ قربانگاہِ شہادت میں متاعِ جانِ عزیز تو پیش کر دیتے لیکن واقعۂ کربلا کی وہ جزئیات جو منظرِ عام پر آئیں اور جو دراصل اس المیہ کی روح ہیں وہ دنیا کو معلوم نہ ہو سکتیں۔ مثال اس کی یوں سمجھ لیجیے کہ حسینؑ انکار

بیعت کے بعد مدینہ نہ چھوڑتے اور وہ وہیں قتل کر دیے جاتے یا بصورت دیگر آپ کو مکہ تشریف لانے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا یا وہ کربلا آتے تو سہی لیکن وہاں انھیں تین دن تک بھوکا و پیاسا رہنے پر مجبور نہ کیا جاتا اور یا پھر جو کربلا میں ہوا وہ تو سب کچھ ہوتا لیکن ان کے اہلِ حرم کی تشہیر نہ ہوتی اور اولادِ پیغمبر یوں دربارِ ابنِ زیاد اور دربارِ یزید اور بازارِ کوفہ و شام میں سر برہنہ نہ پھرائی جاتی۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں واقعۂ کربلا جس شکل میں کہ یہ بالآخر رونما ہوا اس شکل میں نہ ہوتا اور یہ غور کیا جا سکتا ہے کہ ایسی صورت میں اس سے کیا نتائج مرتب ہوتے۔

جیسا کہ اوپر بتلایا گیا۔ حسینؑ و یزید کا تصادم دراصل دو قوتوں کا تصادم تھا، حق و باطل کا، ظلمت و نور کا اور نیکی اور بدی کا۔ یہ تصادم دنیا میں متواتر جاری ہے اور قدرت نے اس بات کا خود التزام کیا ہے کہ یہ دو متضاد قوتیں ہمیشہ آپس میں ٹکراتی رہیں اور چشمِ عبرت بیں اس ٹکراؤ کے نتائج دیکھتی رہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

دیکھنا صرف یہ ہوتا ہے کہ کونسا ٹکراؤ کس پیمانہ پر ہوا اور وہ شک و شبہ سے کتنا پاک اور کس قدر روشن و واضح تھا۔ جو ٹکراؤ جس قدر نکھرا ہوا اور واضح ہوگا اور وہ جتنے بڑے پیمانے پر ظہور میں آئے گا اس کے نتائج اسی قدر گہرے اور دور رس ہوں گے۔ چنانچہ حسینؓ نے ابتدا ہی سے یہ اہتمام کیا کہ ان کا اور یزید کا ٹکراؤ نہ صرف دنیا کا عظیم ترین اور عدیم النظیر ٹکراؤ ہو بلکہ اس کی وضاحت اور سادگی میں بھی قطعاً کسی قسم کی کوئی کسر باقی نہ رہ جائے اور اس کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہو کہ جسے پرکھنے اور پہچاننے میں کسی معمولی سے معمولی عقل کے انسان کو بھی کوئی دقت پیش آئے۔ اس کے لیے جہاں آپ نے ایک طرف اپنی سیاست و بصیرت کی اور دور بینی و ژرف نگاہی کی تمام قوتوں کو بروئے کار لانے کی کوشش کی وہاں دوسری طرف قدرت نے بھی آپ کی ہر ممکن مدد کی۔ غور کیجیے حسینؓ اگر ولید کے بلانے پر بنو ہاشم کی ایک مضبوط جماعت ہمراہ نہ لے جاتے جو وقت پڑنے پر دروازہ توڑ کر اندر نہ آجاتی تو کیا یہ

ممکن نہ تھا کہ مروان وہیں آپ کا کام تمام کر دیتا اور دنیا کو یہ کانوں کان خبر نہ ہوتی کہ حسینؑ کیا چاہتے تھے اور وہ کس جرم کی پاداشں میں مار ڈالے گئے۔ یا پھر حسینؑ اگر مطالبۂ بیعت کے دوسرے ہی روز مدینہ چھوڑ کر مکہ روانہ نہ ہو جاتے تو کیا یہ ٹکراؤ مدینہ میں ہی واقعہ نہ ہوتا جہاں بنو ہاشم کے تمام افراد اور آپ کے اور آپ کے باپ دادا کے جان پہچان والے تمام اہلِ مدینہ کو طوعاً و کرہاً آپ کا ساتھ دینا پڑتا۔ اس صورت مین کیا یہ تصادم ایک سیاسی جنگ کی صورت اختیار نہ کر لیتا اور بعد میں یہ ثابت کرنا کہ کربلا کی جنگ ایک خالص اصولی اور روحانی جنگ تھی اور حسینؑ و یزید کا ٹکراؤ دراصل حق و باطل کا ٹکراؤ تھا کیا ناممکن نہیں تو مشکل نہ ہو جاتا؟ اسی طرح اگر آپ محمد حنفیہ اور دوسرے مشیروں کے مشورہ کے خلاف حج سے ایک روز قبل مکہ نہ چھوڑ دیتے تو یقیناً آپ دورانِ حج میں وہیں قتل کر دیے جاتے۔ اس سے نہ صرف حرمت کعبہ مٹ جاتی بلکہ اسے ایک اتفاقی حادثہ کہہ کر تاریخ فراموش کر دیتی۔

اور اس پورے واقعہ پر حکومت کا پروپیگنڈا پردے ڈال دیتا۔ اور یونہی میدانِ کربلا میں اگر حسینؑ پر پانی بند نہ ہوتا، تو آپ کی شہادت اور نتیجہ جنگ میں تو شائد کوئی فرق نہ آتا۔ بہتر نفوس جن میں ننھے بچے اور اسی برس کے بوڑھے بھی شامل ہوں وہ تیس لاکھ کے سیر و سیراب لشکر سے کہاں تک لڑ سکتے تھے؟ لیکن ہاں ظلم و استبداد کی انتہا اور جبر و تشدد کا کمال دنیا پر ظاہر نہ ہوتا۔ اور نہ ہی حسینؑ کے استقلال اور ان کے عزم ارادہ کی پختگی اور جادۂ حق میں ان کے ثبات و پامردی کے پورے جوہر کھل سکتے۔ اور اسی طرح اگر حسینؑ اپنے اہلِ حرم کو ہمراہ نہ لے گئے ہوتے تو کون تھا جو حسینؑ کی مظلومیت کو، یزید کے ظلم و استبداد کو آزادیٔ ضمیر کے پیغام کو، طاغوت کے مقابلہ میں عزت و خودداری کی برتری کو، اور ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کی ترجیح کے جذبہ کو شہر بشہر اور دیار بہ دیار پہنچا سکتا۔ اور کون تھا جو دنیائے انسانیت کی اس عظیم ترین قربانی کے تمام نقوش کو ذہنِ عالم میں دوام بخشنے کا کام کرتا۔

بہر حال اگر واقعۂ کربلا سے وہ تمام نتائج

مرتب کرنے مقصود تھے کہ جو اس سے کیے گئے۔ تو یہ بھی ضروری تھا کہ یہ اسی شکل میں ظہور پذیر ہوتا جس میں کہ یہ ہوا اور اس کی جزئیات میں سے کوئی ایک بھی نامکمل باقی نہ رہتی۔ یا یوں کہیے کہ اگر حسینؑ بیعتِ یزید سے انکار تو کرتے لیکن آپ وہ تمام تدابیر عمل میں نہ لاتے اور اس مخصوص حکمتِ عملی اور بصیرت سے کام نہ لیتے تو اُن کی شہادت تو ضرور ہوتی لیکن واقعۂ کربلا پیش نہ آتا اور اس طرح اس شہادت سے وہ مہتم بالشان نتائج برآمد نہ ہوتے جو کہ ان کا اور یقیناً ذات واجب الوجود کا مقصود تھا۔

یہ تو تھا حسینؑ کا احسان اسلام پر اور شریعت محمدیؐ پر۔ آئیے مذہب سے دور ہٹ کر تھوڑی دیر کے لیے عام انسانی معاشرہ پر بھی ایک نگاہ ڈالیں۔ انسانی معاشرہ کے پھلنے پھولنے اور اس کی نشو و ارتقا کے درجۂ تکمیل تک پہنچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسانی کردار کی بلندی اور پستی دونوں کے کچھ مظاہر عوام کی نگاہوں کے سامنے لائے جائیں۔ اگر انسانی کردار کی کچھ بلند ترین

اور انتہائی حسین مثالیں دنیا کے سامنے نہ آئیں گی تو انسان کے پاکیزہ اور طیّب جذبات کبھی اُبھر کر اُوپر نہ آسکیں گے۔ اور کردار و سیرت میں کبھی نکھار پیدا نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کردار کی پستی کے چند انتہائی کریہہ اور گھناؤنے مناظر بھی انسان نہ دیکھ لے گا تو وہ بدی اور برائی سے کما حقہ حد تک نفرت نہ کر سکے گا۔ اور اس کے لیے حیوانی جذبہ کو پوری طرح مغلوب کر لینا ممکن نہ رہے گا۔ فطرت خود اس کا مطالبہ کرتی ہے اور اس مطالبہ کو پورا کرنے کی ذمہ داری خود خالقِ کائنات پر آتی ہے۔ معاشرہ کو اس سے تشنہ رکھنا یقیناً اس پر ایک ظلمِ عظیم ہوگا۔ انسان تو آب و گِل کا ایک کمزور مرکب ہے۔ وہ ظلوم و جہول ہے۔ اسے نیکی کی طرف کھینچنے اور صراطِ مستقیم کی طرف چلانے کے لیے ضروری ہے، کہ کردار کی پاکیزگی اور شرافتِ نفس کے چند حسین و جمیل اور دلکش جلوے اسے دکھائے جائیں اور اسے بدی سے روکنے اور راستہ کی بھی اور اس کے اونچ نیچ میں بھٹک جانے سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ بھی ضروری

ہے کہ انسانی بدکرداری اور گراوٹ کی کچھ ذلیل ترین پرچھائیاں بھی اس کی نگاہ کے سامنے آئیں تاکہ وہ ان کے نتائج سے ایک طرح تقویت حاصل کرے اور دوسری طرف عبرت۔ اس کے بغیر یہ معاشرہ توازن کھو دے گا اور اپنے ہی اندر ایک تصادم اور ٹکراؤ سے دوچار ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

اس اصول کو نگاہ میں رکھ کر آیئے اور سوچیئے کہ واقعۂ کربلا نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ غور کیجیے کیا چشم فلک کہیں اور یہ دیکھ سکتی تھی کہ ایک چھ ماہ کا بچہ تین دن کی پیاس سے جاں بلب ہو، اس کا باپ ارمانوں بھرے سینہ سے اس بچہ کو چمٹائے ہوئے کڑکتی دھوپ میں باہر آئے۔ بچے کو گود سے الگ کرکے جلتی ہوئی ریت پر لٹا دے اور انسانوں کے ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر سے مخاطب ہو کرکے کہ دیکھو تمہاری نگاہوں میں اگر گنہگار ہوں تو میں ہوں، یہ بچہ معصوم ہے، دو گھونٹ پانی خود آ کر اس کے خشک حلق میں ٹپکا دو۔ جواب میں ایک تیر سہ شعبہ سنسناتا ہوا آئے جو اس معصوم کے گلے کو چیرتا ہوا باپ کے بازو میں پیوست ہو جائے اور بچہ

ہونٹوں پر ایک ہلکا سا تبسّم لیے ہوئے ہمیشہ کی نیند سو جائے۔

سچ کہیے، اگر واقعۂ کربلا نہ ہوتا تو کیا تاریخ عالم میں یہ ملتا کہ ایک جوانمرد تین دن کا بھوکا پیاسا ایک سوکھی ہوئی مشک کندھے پر لیے ہوئے دریا میں داخل ہو۔ وہ زخموں سے چُور بھی ہو اور تیغ زنی نے اسے نڈھال بھی کر دیا ہو، گرمی کی شدّت سے اس کے اسلحۂ جنگ جل رہے ہوں اور بھائیوں بیٹوں اور بھتیجوں کی موت کے غم سے اس کا کلیجہ پُھنک رہا ہو۔ وہ پانی میں اُتر کر مشک تو بھرے لیکن ایک قطرۂ آب اس کے اپنے حلق سے نیچے نہ اترے، وہ جس طرح پیاسا آیا تھا ویسے ہی پیاسا لوٹ جائے صرف اس لیے کہ جب تک سردارِ لشکر پانی نہ پی لے وہ لب تر کر کے عہدِ وفا اور میثاقِ اطاعت کو بدنام نہیں کر سکتا۔

ہاں ہاں! پہلو میں دھڑکتے ہوئے دل کو ٹٹول کر اندازہ کیجیے کہ اگر واقعۂ کربلا نہ ہوتا تو کیا دنیا کریم النفسی اور عالی ظرفی کی ایسی ایسی محیّر العقول مثالیں کہیں اور پا سکتی تھی۔ منزلِ شراف پر حسینؑ کی مٹھ بھیڑ حُر سے ہوتی ہے۔ کون حُر؟ حُر ابن یزید الریاحی، ایک ہزار شامی سپاہیوں کا سردار جسے ابنِ زیاد نے صرف اس لیے بھیجا ہے کہ حسینؑ کو گھیر کر

کسی ایسے لق و دق اور بے آب و گیاہ صحرا میں پہنچا دے کہ جہاں ان کا اور ان کے بچوں کا قتل آسان ہو سکے۔ قدرت کی ستم ظریفی کہیے یا اتفاق کہ حُر کو دو روز سے پانی دستیاب نہیں ہو سکا اور حالت اس وقت یہ ہے کہ سواروں اور گھوڑوں کی زبانیں شدّتِ عطش سے باہر نکلی ہوئی ہیں۔ صبح سے دوپہر تک کی بادیہ پیمائی نے پیاس کی شدت اس قدر تیز کر دی ہے کہ حُر کے حواس بجا نہیں۔ حسینؑ دیکھتے ہیں اور دیکھتے ہی اپنے سپہ سالار کو حکم دیتے ہیں کہ جتنا پانی ہمارے پاس موجود ہے سب کا سب ان پیاسوں میں تقسیم کر دو۔ عباسؑ عرض کرتے ہیں مولا! بچوں کا ساتھ ہے اور صحراؤں کا سفر۔ فرمایا ہاں! میں جانتا ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ حُر کو ابنِ زیاد نے کیوں بھیجا ہے؛ لیکن ؎

میں ساقیٔ کوثر ہوں تکلف مجھے کیا ہے؛
پانی انھیں دے دو مرے بچوں کا خدا ہے

اور پھر زمانہ کا یہ انقلاب بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ صرف دو اڑھائی ہفتوں کی مدّت کے بعد یہی حسینؑ یکّہ و تنہا صدائے استغاثہ بلند کریں اور یہی ایک ہزار سپاہی جن پر آج احسان کیا جا رہا ہے آلِ غریب الدیار سے صف آرا ہوں۔ اور یہی نہیں

وہ کریم النفس انسان بار بار لفظ بدل بدل کر طلبِ آب تو کرے لیکن نہ کہے تو یہ نہ کہے کہ دیکھو ابھی کل کی بات ہے کہ تم پیاسے تھے اور میں نے تمہیں سیراب کرکے حیاتِ ثانی عطا کی تھی۔

اور پھر نفس کی پاکیزگی، دل کی حساسیت اور آزادئ ضمیر کا یہ کتنا حیرت انگیز کرشمہ ہے کہ اسی لشکر کا سردار رات تو اس فوجِ ضلالت شعار میں بسر کرے لیکن صبح جب میدانِ کارزار گرم ہو اور جنگ کے شعلے بھڑکیں تو وہ لشکر کی سرداری کو خیرباد کہہ کر اور تمام عیش و آرام کے سامان بیچ کر خود اپنے پاؤں سے چل کر موت کی آغوش میں چلا آئے۔

بہرحال ایسے ایسے سیکڑوں واقعات ہیں جن سے دامنِ واقعۂ کربلا جگمگا رہا ہے اور جن کے نہ ہونے سے تاریخ نسلِ انسانی ایک عظیم خلا محسوس کرتی اور معاشرہ تشنہ اور نامکمل رہتا۔ یہی نہیں، یہ واقعات منصۂ شہود پر نہ آتے تو خود قرآن کریم کی بہت سی آیتیں صرف کاغذی پھول بن کر رہ جاتیں اور خدا و رسولؐ کا یہ دعویٰ غلط ہو جاتا کہ قرآن ایک ذہنی نہیں بلکہ عملی اصولوں کی کتاب ہے اور اس میں جیتے

بجا گئے اور نعال انسانوں کا تذکرہ ہے۔ سچ بتلائیے ولا تحسبن الذی کا مفہوم ہم کہاں ڈھونڈتے، اور وَفَدَیْنَاہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ کا مقصود ہمیں کہاں ملتا؟ مقتل میں کھڑے ہوئے حسینؑ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھیے کیا وہ اِنَّ صَلٰوتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ کی منہ بولتی تصویر اور یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک کی جیتی جاگتی تصویر دکھائی نہیں دیتے؟ کوہِ صبر و ثبات بنے ہوئے آپ کے رفقاء کی طرف دیکھیے۔ کیا وہ سب کے سب ولنبلونکم بشیٍٔ من الخوف والجوع کے مجسم نمونے معلوم نہیں ہوتے؟ اس سارے واقعہ کا دامن الٹ کر دیکھا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ اخلاقیات کے کتنے سبق حسینؑ نے اتنی قلیل مدت میں دنیا کے سامنے رکھ دیے۔ بہن بھائی کے تعلقات دوست دوست کے روابط، آقا و غلام کا رویہ، باپ بیٹے کا باہمی سلوک، غرض وہ کونسا رشتہ ہے جو اپنے کمال اور نقطۂ عروج پر کربلا میں دنیا کی نگاہوں کے سامنے نہیں آیا؟ کربلا ایک مرقع ہے جس میں تمدن کے ہر پہلو کی گلکاری کے لیے رنگ موجود ہیں۔ یہ ایک گلدستہ ہے جس میں سے ہر سن و سال کا

انسان اخلاق سدھارنے اور کردار سجانے کے لیے گلہائے بوقلموں چُن سکتا ہے۔ امام مظلوم نے معاشرہ کو وہ بلند آدرش بخشے ہیں اور چشم نوع انسانی کے سامنے ایسی ایسی بلند اور معیاری مثالیں رکھ دی ہیں اور قرآن پاک کی اپنے خون سے اتنی واضح تفسیر لکھ دی ہے کہ قیامت تک انسانیت آپ کے احسان کے بوجھ سے سر نہیں اٹھا سکتی ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گل چینِ تو از تنگیٔ داماں گلہ دارد

اس پوری تفصیل کو سامنے رکھ کر غور فرمائیے کہ اگر واقعۂ کربلا نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ اور نظامِ مذہب، نظامِ معاشرت اور نظامِ عالم آج کتنا درہم برہم ہو چکا ہوتا اور پھر دیکھیے کہ کیا یہ کہنا بے جا ہوگا کہ واقعۂ کربلا کے ہیرو سید الشہداؑ امام حسین روحی لک الفدا محسن ہیں تمام انبیائے ماسبق کے، رسولِ اکرمؐ کے، خود خدائے قدوس کے اور پوری نسل انسانی کے۔

حسینی فنڈ

مسی

عطیہ مرحمت فرماکر مرسلہ رقم سے دو چند قیمت کا لٹریچر
اردو، انگریزی، گجراتی، بنگالی، پشتو، سندھی اور
عربی جس زبان میں مطلوب ہو (بعد منہائی اخراجات
ڈاک) مجالس محرم سے قبل حاصل کیا جاسکتا ہے
عاشقانِ حسین علیہ السلام سے استدعا ہے کہ وہ زیادہ
سے زیادہ حصہ لے کر کربلا کی عظیم قربانیوں کی اس
کے اسباب و علل کے ساتھ نشر و اشاعت میں ہمارا
ہاتھ بٹائیں۔ آج بھی حسینیت پر پردہ ڈالنے کی ناکام
کوششیں ہو رہی ہیں ان کا دفاع ہمارا دینی فریضہ ہے
یقیناً اس عملی نصرت کا اجر ان کو معصومۂ عالم کی
درگاہِ احدیت سے دلائیں گی۔

الداعی الی الخیر

آنریری جنرل سیکرٹری امامیہ مشن پاکستان بھارت نگر ۲ اکرم روڈ لاہور

تعلیمی پریس لاہور